تائی لاجونتی

محمد بشیر مالیر کوٹلوی

موبائل:9417423788

دسمبر کی سرد رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی۔ سارا گاؤں نیند کی آغوش میں جا چکا تھا۔ کبھی کبھی دور سے کتّوں کے بھونکنے کی آوازیں ماحول کو پریشان کر دیتی تھیں۔ پوجا کی آنکھ لگی ہی تھی کہ تائی لاجونتی نے اسے جھنجھوڑا ''پو جی!— ارے او پو جی، سنتی ہو!''

پوجا بڑبڑائی۔ ''سوجا— ماں— مجھے زور کی نیند آرہی ہے—!!''

تائی لاجو خاموش ہوگئی۔ تھوڑی دیر بعد پوجا کے کان کے قریب ہونٹ لے جا کر اُس نے سرگوشی کی ''ارے سن تو— دیکھ کسی کو بتانا نہیں۔ میں— میں ایک بار پھر ماں بننے والی ہوں۔ (ناراض سی ہوکر) اری تو سنتی کیوں نہیں پو جی— میں— میں پیٹ سے ہوں!!''

پوجا آنکھیں بند کیے مسکرا کر بولی۔ ''ہاں— ستّر سے اوپر کی عمر میں اب تیرا ماں بننا باقی رہ گیا تھا۔''

تائی نے اُس کے لحاف میں ہاتھ ڈال کر اُس کا کندھا پکڑ لیا۔

''جانتی ہو کل کیا ہوا—؟؟''

پوجا نیند میں بولی۔ ''کیا— کیا ہوا تھا—!!''

تائی رازدارانہ انداز میں بولی۔ ''میرا نا— جی متلانے لگا۔ ایک عجیب سی بُو میرے اندر سما گئی تھی۔ میرا— نا، کچے آم کھانے کو جی مچل اُٹھا۔ میں لالا گوردھن کی دکان پر پہنچی۔ اری سن تو—! (تائی نے اُسے پھر جھنجھوڑا، مگر وہ نیند کی وادیوں میں کھو چکی تھی) میں لالا سے بولی کہ لالا کسی کو بتانا نہیں میں نا— ماں بننے والی ہوں۔ میرا کچھ کھٹا کھانے کا جی ہے آج— میں تھوڑی املی لے لوں۔ ابھی میں نے والے کنستر کو ہاتھ ہی لگایا تھا کہ اُس— حرام کے جنے نے میرے بازو پر ڈنڈا مارا— (روہانسی ہوکر) دیکھ دیکھ— یہ یہ اِدھر—!!''

بازو ننگا کر کے وہ پوجا کو دکھانے لگی۔ گورے گورے بازو پر نیل اُبھر آیا تھا، تائی اُس پر ہاتھ پھیر کر منہ بسورنے لگی۔ پوجا بے خود ہوکر سو رہی تھی۔ چوکیدار گلی کے فرش پر لاٹھی سے آواز کرتا ہوا گاؤں والوں کو جاگتے رہنے کا پیغام دیتا ہوا آگے نکل گیا۔ تھوڑی دیر بعد تائی آنسو پونچھ کر بولی۔

''پو جی— یہ گاؤں والے مجھے پگلی تائی کیوں کہنے لگے ہیں۔ میں پاگل ہوں کیا؟

وہ— حرامی گوردھن مجھے پگلی کیوں کہتا ہے— تھوڑا خاموش رہ کر وہ تقریباً چلاّ اُٹھی اور اپنا لحاف دور پھینک کر پوجا کو کندھے سے ہلانے لگی۔

''پو جی— اُس نے مجھے پاگل کیوں کہا—!!؟— کیا میں پاگل ہوں—!!؟؟''

پوجا ہڑابڑا کر اُٹھ بیٹھی۔ اُس نے نیند سے بوجھل پپوٹے اُٹھا کر دیکھا، تائی کی آنکھیں غصّہ سے سُرخ ہو رہی تھیں۔ وہ مارے غصّہ کے کانپ رہی تھی۔ پوجا نے ایک جماہی لی اور ماں کا سر اپنے کاندھے پر ٹکا کر سہلانا شروع کیا اور بچوں کی طرح اُسے پچکارنے لگی۔

''ارے نہیں نہیں بابا— تو پاگل نہیں، لالا ہی پاگل ہوگیا!— اگر اُس نے تمھیں پاگل کہا، میں خود اُسے پاگل خانے چھوڑ آؤں گی۔ اُس کی یہ مجال کہ وہ پوجا کی ماں کو پاگل کہے۔ بس چپ ہوجا!'' تائی بیٹی پوجا کے کندھے پر سر ٹکائے روتی رہی۔ پوجا اُسے پیار سے بہلاتی رہی۔ تھوڑی دیر بعد تائی کو الگ کر کے پوجا اُٹھی، اُس نے اپنے لمبے بالوں کا جوڑا بنایا اور گھڑے سے پانی کا گلاس بھر کر تائی کے ہونٹوں کو لگا دیا۔ پانی پی کر تائی پرسکون ہوگئی اور بڑبڑائی۔ اب بھلا حاملہ عورت کو بھی کوئی اتنا ستاتا ہے۔! تائی کچھ یاد کر کے بولی، ''وہ لالا کہہ رہا تھا کہ گاؤں والے مجھے پاگل خانے کیوں نہیں پہنچاتے۔ کیا میں سچ مچ پاگل ہوں پو جی۔!!'' وہ پھر رونے لگی اور بار بار سوال کرنے لگی۔ پو جی!— پو جی سچ بتا، تو مجھے پاگل خانے تو نہیں بھیجے گی نا—؟'' پاگل خانے تو پاگل جاتے ہیں، میں تو تیری ماں ہوں۔ پاگل نہیں!''

پوجا بڑے پیار سے بولی۔ ''ہاں ہاں تو تو میری ماں ہے۔ ماں تو ماں ہوتی ہے پاگل نہیں ہوتی!!''

پوجا کو پھر نیند نے گھیر لیا، تائی اب تقریباً شانت ہو چکی تھی۔

پوجا نے ایک بھرپور انگڑائی لے کر ماں کو سمجھایا۔''ماں— دیکھ اِدھر رضائی میں تیری لاڈلی مُنّی سو رہی ہے، دونوں بیٹے ساتھ والے کمرے میں سو رہے ہیں۔ اگر ہم شور مچائیں گے، یہ بچے جاگ جائیں گے۔ صبح کو انھوں نے اسکول کے لیے تیار بھی ہونا ہے۔ مجھے بھی جلدی اُٹھنا ہوتا ہے اب ہم سو جاتے ہیں۔ رات بہت ہوگئی سو جا تو بھی— تو تو— میری بڑی اچھی ماں ہے— ہے نا—!!''

کہتے ہیں کہ پاگل کو نیند نہیں۔ تائی لاجونتی رات کے کسی پہر سو جاتی تھی، کئی بار تو وہ دن میں بھی خرّاٹے لینے لگتی۔ اُس کی حالت بگڑے زیادہ وقت نہیں گزرا تھا پچھلے مہینے سے ہی اُس پر پاگل پن کے دورے پڑنے لگے تھے۔ گاؤں کے ڈاکٹر نے اپنے تجربہ کے زور پر بتایا تھا کہ تائی کسی وجہ سے سخت ڈپریشن کا شکار ہے۔ اُسے کسی نیورو والے اچھے ڈاکٹر کو دکھایا جائے تو یہ ٹھیک ہوسکتی ہے۔ ابھی پہلی ہی اسٹیج لگتی ہے۔ پوجا گھر پر اکیلی تھی، بچوں کی تعلیم اور اُن کی دوسری ذمہ داریوں کو بھی دیکھنا تھا۔ تائی کی روز بروز حالت بگڑتی ہی جارہی تھی، رشتہ دار جھوٹی ہمدردی دکھا کر چلے جاتے۔ کچھ محض تائی کا مذاق اُڑا کر چلے جاتے۔ پوجا کا شوہر راجیو پچھلے مہینے پنجاب چلا گیا تھا۔ وہ لدھیانہ میں کسی فیکٹری میں فورمین تھا۔ گھر تو وہ پانچ چھ مہینے بعد ہی آتا تھا۔

پوجا نے پرسوں اُسے تائی کی دماغی حالت اور اپنی پریشانیوں کا حال بتایا تھا اور جلد ہی گاؤں آنے کے لیے کہا تھا۔ اُس نے صاف کہہ دیا کہ وہ جیسے تیسے حالات سے نپٹ لے اُس کے مالک اتنی جلدی اُسے چھٹی نہ دیں گے۔ راجیو نے یہ بھی کہا کہ پٹنہ کے بڑے ڈاکٹروں کے خرچے پہاڑ جتنے ہوتے ہیں۔ ہاتھ میں رقم بھی چاہیے۔ اُس نے پوجا کی کوئی بات نہ سنی اپنی ہی مجبوریاں گنواتا رہا۔ ماں کی وجہ سے پوجا کا دن کا چین اور رات کی نیند اُچاٹ ہوچکی تھی۔ تائی لاجونتی پورے گاؤں کو بتاتی پھرتی کہ وہ پیٹ سے ہے سننے والے کو یہ ضرور کہتی کہ وہ کسی کو بتائے نہیں۔ ایک دن پوجا نے ایسے ہی ماں سے سوال کردیا کہ ماں— چلو مان لیتے ہیں کہ اس بڑھاپے میں تو پیٹ سے ہے۔ یہ ہوا کیسے—؟ کس نے کیا—؟ اس بچے کا باپ کون ہے—؟ گھر میں جیسے طوفان آگیا۔ تائی آنکھیں پھاڑ کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی اور کانپتے ہوئی تقریباً چیخ اُٹھی تھی۔

''نہیں— نہیں نہیں بتاؤں گی— بتا دیا— تو سب مرجائیں گے برباد ہوجائیں گے۔ وہ صحن میں کھڑی ہوکر آسمان کی طرف اشارہ کرکے بولی۔

''آکاش سے آگ برسے گی۔ دھرتی پھٹ جائے گی۔ بچے مرجائیں گے میں مروں گی تم مروگی، پورا گاؤں مرے گا، پوجی میں تم کو نہیں مرنے دوں گی میں— وہ مرے گا— وہ— حرامی سور، کتا—!''

پوجا نے آگے بڑھ کر ماں کا ہاتھ پکڑ لیا۔''وہ— وہ کون ہے— مجھے بتاؤ—!

تائی نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے پوجا کو دیکھا اور پورے زور سے اُس کے منہ پر تھپڑ مارا۔ پوجا ابھی سنبھل بھی نہ پائی تھی کہ تائی چیخیں مارتی ہوئی اپنی رانوں اور چھاتی کو پیٹنے لگی۔ وہ اس قدر بھڑک اُٹھی کہ پوجا نے پڑوسیوں کی مدد سے اُسے قابو کیا۔

پچاس سال پہلے تائی لاجونتی سرخ ساڑی میں لپٹی اور زیورات سے لدی اس گاؤں میں آئی تھی۔ تو گاؤں کی عورتیں دلہن کو دیکھتی رہ گئی تھیں۔ وہ تھی ہی اتنی خوبصورت، موٹی موٹی پیالہ سی آنکھیں۔ دھوپ سی رنگت ستواں ناک پیاسے پیاسے ہونٹ، لمبی گردن، پنڈلیوں پہ گرتے ہوئے کالے بال، بوٹا سا قد اور جسم کے مناسب زاویے دیکھ کر ہر کوئی آہ بھر کے رہ جاتا۔

تائی انتہائی نیک، بلند اخلاق، پُرخلوص اور خدمت گزار تھی۔ تایا جیون پہلوان کی خوش قسمتی پر سارا گاؤں رشک کرتا تھا۔ تایا خود بھی اپنی زندگی سے مطمئن تھا۔ تایا جیون بھی کچھ کم نہ تھا۔ وہ اپنے سونے سے محنتی جسم کے ساتھ سرخ لنگوٹ پہنے جب اکھاڑے میں اُترتا تو کنواریاں دل تھام کر رہ جاتیں۔ نام تو اُس کا جیون داس تھا، مگر بچپن سے ہی عرف عام میں گاؤں والے اُسے جیون تایا کہتے تھے۔ سامنے والا کتنا ہی شہ زور ہوتا تایا جیون اپنے حریف کو مٹی چٹا کر ہی اکھاڑے سے نکلتا۔ پورے ضلع میں اُس کے جوڑ کا کوئی پہلوان نہیں تھا۔ انہی دنوں تایا کسی دوست کی بارات میں رام پور گیا جہاں وہ تائی کی نظروں کا شکار ہوگیا۔ جب وہ ایک دوسرے سے ملے تو فلموں کی ہیروئن اور ہیرو کی طرح ان کو بھی محسوس ہوا کہ وہ تو پچھلے کئی جنموں سے ایک دوسرے کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں۔ گاؤں میں تایا جیون کی اچھی خاصی آبائی جاگیر تھی۔ تائی لاجونتی کے گھر والوں سے جب تایا نے اُس کا ہاتھ مانگا تو سارے معاملات طے ہوتے چلے گئے۔ چونکہ جیون کو گاؤں کا ہر بوڑھا بچہ جیون تایا ہی کہتا تھا اس لیے اس نسبت سے لاجونتی جو اپنے گاؤں کی لاجو تھی سسرال میں آکر تائی لاجونتی بن گئی۔ شادی کے سات سال بعد پوجا کی پیدائش ہوئی۔ پوجا بھی اپنی ماں اور بابا کی طرح بہت خوبصورت تھی۔ تایا جیون پوجا پہ جان چھڑکتا تھا۔ ایک دن تایا کُشتی مقابلہ کے سلسلے میں لکھنؤ گیا تو واپس نہ لوٹ سکا وہاں کسی حادثے کا شکار ہوگیا۔ تایا کی موت کے بعد تائی پر مصیبتوں کے

پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ جب تائی لاجونتی نے گاؤں کے پٹواری سے شوہر کی جائیداد کی معلومات حاصل کیں تو پتہ چلا کہ تایا جیون اپنی زندگی میں ہی آدھی سے زیادہ جائیداد اصلی گھی اور باداموں میں گھونٹ کر پی چکا تھا۔ بچی ہوئی باقی زمین کی گرداوریاں اور انتقال درست کروا کر تائی نے اُس کی دیکھ بھال شروع کر دی تھی۔ بچی ہوئی زرعی زمین ماں بیٹی کے لیے کافی تھی۔ اُس کی دنیا اب پوجا ہی تھی۔ وہ پوجا کو جی جان سے چاہتی تھی۔ تایا کی موت کے بعد کئی میلے ہاتھ اُس کو نوچنے کے لیے بڑھے۔ مگر وہ خود ثابت قدم رہی اور تایا کی یادوں کے سہارے زندگی کاٹنے کا فیصلہ کر لیا۔ وقت گزرتا گیا، پوجا نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا اُس کی تعلیم پوری ہوئی تو تائی نے اُس کی شادی راجیو سے طے کر دی جو ایک خوبصورت، پڑھا لکھا اور محنتی نوجوان تھا اور جیون تایا کہ دور کے رشتہ داروں میں سے تھا۔ راجیو بڑا ہنس مکھ اور دبنگ قسم کا لڑکا تھا شادی کے بعد تائی لاجونتی کی خوبصورتی کو دیکھتے ہوئے وہ اُس کو موسی بیوٹی فُل کہہ کر پکارتا۔ وہ پنجاب کی کسی فیکٹری میں فورمین تھا۔ چار پانچ مہینے بعد اچھے پیسے کما کر لوٹتا تھا۔ شادی کے بعد پوجا خوشی خوشی اپنی سسرال چلی گئی۔ تائی نے اپنی تنہائیوں سے سمجھوتہ تو کر لیا مگر کچھ دنوں بعد اکیلا پن اور اندھیرے اُسے ڈرانے لگے۔ اپنے حالات سے پریشان ہو کر تائی لاجونتی نے راجیو کو گھر جنوائی بننے کے لیے کہا تو وہ مان گیا، وہ پوجا کو بہت چاہنے لگا تھا۔ ویسے بھی وہ جانتا تھا کہ تائی کے بعد بھی وہ سسرال کی حویلی اور زرعی زمین کا وارث ہے۔ وہ خوشی خوشی اپنا گاؤں چھوڑ کر گھر جنوائی بن کر رہنے لگا، اپنی تیز طرار گفتگو اور کھلنڈرے پن کی وجہ سے وہ جلد ہی گاؤں میں مقبول ہو گیا۔ وقت گزرتا گیا، دیکھتے ہی دیکھتے پوجا تین بچوں کی ماں بن گئی۔ مُنّی سے بڑے دونوں بیٹے اسکول جانے لگے۔

پچھلے کئی مہینوں سے پوجا ماں کے لیے بہت فکرمند رہنے لگی تھی۔ تائی لاجونتی ایک دم خاموش رہنے لگی جیسے کسی نے اُس کی زبان پر تالہ لگا دیا ہو، کبھی کبھی تائی اکیلے میں بیٹھی زار و قطار رونے لگتی۔ کئی بار پوجا نے ماں سے وجہ جاننا چاہی، مگر تائی جواب ہی نہ دیتی۔ خاموش خاموش خلاؤں میں گھورتی رہتی۔ پوجا کسی طرح بھی ماں کے دُکھ کی وجہ نہ جان سکی۔ پوجا ماں کی بگڑتی حالت دیکھ کر پریشان رہنے لگی۔ اب تائی اکیلے میں بیٹھی کسی سے جھگڑنے اور گالیاں دینے لگی۔ کبھی روتے روتے زوردار قہقہے لگانے لگتی۔ پوجا نے اپنی پریشانی اور تائی کی حالت کے بارے میں شوہر سے بات کی تو اُس نے کوئی توجہ نہ دی۔ پچھلے مہینے راجیو پنجاب چلا گیا۔ تائی لاجونتی کی دماغی حالت بگڑنے لگی، وہ عجیب عجیب حرکتیں کرنے لگی۔ گاؤں کے آدمی یا عورت کو گھیر کر بڑے رازدارانہ انداز میں کہتی۔ ’’سنو— کسی کو بتانا نہیں میں پیٹ سے ہوں۔ ایک بار پھر ماں بننے والی ہوں—!‘‘ اب تائی گھر میں بہت کم ٹکتی۔ سارا دن گاؤں میں گھومتی رہتی۔ وہ اب پانی سے بھی ڈرنے لگی تھی۔ پوجا بڑی مشکل سے ہفتہ دو ہفتہ کے بعد اُسے نہلا دیتی اور صاف کپڑے پہنا دیتی۔ گاؤں کے بچوں نے تائی کا تماشہ بنا لیا اور اُس کا نام بھی پگلی تائی رکھ لیا تھا۔ رات کے اندھیرے سے پہلے پوجا ماں کو ڈھونڈ کر گھر لے آتی۔ تائی کے جسم پر روزانہ کوئی نہ کوئی نیا زخم ہوتا۔ رات کو وہ پوجا کے سامنے گاؤں والوں کی شکائتیں رکھ دیتی اور بچوں کی طرح روتی رہتی۔

ایک رات پوجا کی دو بجے آنکھ کھل گئی۔ دیکھا تو تائی اپنے بستر پر موجود نہ تھی اُس نے آوازیں لگائیں، سارا گھر چھان مارا تائی گھر سے جا چکی تھی۔ پوجا نے لاٹھی اُٹھائی گرم چادر اپنے گرد لپیٹ کر ماں کو ڈھونڈنے گاؤں میں نکل پڑی، چوکیدار کی نشاندہی پر اُسے تائی نظر آ گئی جو پنچایت گھر کے سامنے برگد کے پیڑ کے نیچے، گردن جھکائے، ہاتھ جوڑ کر بیٹھی تھی۔ نہ چادر نہ کمبل اُسے سردی کا احساس ہی نہ تھا۔ پوجا نے آگے بڑھ کر ماں کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور بولی ’’ماں—! اتنی رات میں تو یہاں بیٹھی کیا کر رہی ہے—؟‘‘ تائی نے مڑ کر دیکھا اور اپنے ہونٹوں پر انگلی جما کر پوجا کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا، تھوڑی دیر بعد وہ سرگوشی میں بیٹی سے بولی۔ ’’تو آ—! میرے پاس چپ چاپ بیٹھ جا۔ دیکھ سامنے گاؤں کی ساری پنچایت بیٹھی ہے۔ شہر سے دو افسر بھی آئے ہیں۔ اِن سب نے میرا دُکھ سن لیا ہے۔ اب— اب انصاف ہوگا—؟‘‘

پوجا غصّہ اور پریشانی سے بل کھا کر بولی۔ ’’انصاف— اری کیسا انصاف— یہاں تو کوئی بھی نہیں!!‘‘

تائی پھر منہ میں بولی۔ ’’اری سبھی تو میں وہ دیکھ ممبر پنچایت، سرپنچ— میں پیٹ سے ہوں نا—! مجھے انصاف ملنا ہے— اُس کتے کو حرام کے جنے کو آج سزا ملے گی— آج تو دیکھ لینا!‘‘

پوجا رات کے سنّاٹے میں چیخ اُٹھی۔ ’’کس کو سزا دلوائے گی— کون ہے وہ؟— تیرا اپرادھی—؟ جس نے اس عمر میں تجھے پیٹ سے کر دیا— بتاتی کیوں نہیں—!!‘‘

پوجا کے اس سوال پر تائی آنکھیں پھاڑ کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی اور ایک دم کھڑی ہو گئی— بار بار وہ ایک ہی لفظ دہرا رہی تھی۔ ’’نہیں—! نہیں—!!— نہیں—!!!‘‘

دفعتاً دونوں ہاتھ اوپر اُٹھا کر، ہوا میں لہراتی ہوئی، وہ بھاگ کھڑی

ہوئی— اُس رات کے بعد تائی کی حالت بگڑتی ہی گئی۔ پوجا ماں کو سنبھالنے میں ناکام تھی۔تائی کے پاگل پن سے سارا گاؤں پریشان تھا۔ ایک صبح منہ اندھیرے تائی سب کوسوتا ہوا چھوڑ کر گاؤں کی واحد داتی رام پیاری کے گھر کی طرف چل دی اور راستے میں تالاب کے کنارے گر کر بے ہوش ہوگئی جہاں پانی کم ہی تھا۔دوتین گھنٹے بعد چار پانچ آدمی تائی کو چار پائی پر ڈال کر گھر چھوڑ گئے، سخت سردی کا موسم اور ٹھنڈے پانی میں پڑے رہنے سے تائی کو تیز بخار آ گیا۔اُسی دن شام کو دوتین آدمیوں کے ساتھ سرپنچ تائی کو دیکھنے آیا۔تائی کو دیکھ کر وہ پوجا سے کہنے لگا۔''پوجی—! بیٹے تیرے پتا جیون تایا سے ہماری دوستی ہی نہیں تھی، وہ ہمارے بھائیوں کی طرح تھا۔اب تائی لاجو کی حالت ہم سے دیکھی نہیں جاتی۔آج چھوٹی چھوٹی باتیں سننے کومل رہی ہیں کل کوئی بڑا حادثہ بھی ہوسکتا ہے۔میری مانو—! تائی کو شہر کے کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھاؤ—! پٹنہ لے جاؤ اسے۔ تمھیں کسی طرح کی مدد کی ضرورت ہوتو ساری پنچائیت تمہارے ساتھ ہے۔تو ہماری بیٹی ہے۔راجیو کو بلالو۔پنجاب سے—!!''

پوجا گلوگیر آواز میں بولی:''چاچا— تین چارمہینوں سے انہی کا انتظار کررہی ہوں، ماں کوسنبھالنا، اب میرے بس کی بات نہیں رہی۔وہ پنجاب سے لوٹ آئیں تو ماں کو لے کر پٹنہ جاؤں—!!'' چلتے چلتے سرپنچ کچھ سوچ کر بولا:''ہے—ہے میرے پاس راجیو کا نمبر آج ہی بات کرتا ہوں اُس سے!!''

ایک توار کی صبح دن کے اُجالے سے پہلے ہی راجیو سامان سے لدا پھندا گھر آ گیا۔جس دن راجیو گھر آتا وہ دن پوجا اور بچوں کے لیے کسی تیوہار سے کم نہ ہوتا کیونکہ وہ سب کے لیے مٹھائی اور تحفے لاتا۔اس بار تائی کی وجہ سے بچے اور پوجا سبھی پریشان تھے۔چائے کا کپ لے کر اس نے پوجا سے تائی اور گھر کے حالات کی باتیں سنیں۔کم خوابی اور تکان سے وہ کافی پریشان تھا وہ خاموشی سے اُٹھا اور پوجا کے کمرے میں جاکر سوگیا دوپہر دو بجے کے قریب وہ نہادھوکر فریش ہوگیا۔پوجا تائی کو کھانا کھلا کر اُس کے چھوٹے سے کمرے سے نکلی ہی تھی کہ راجیو تائی کی مزاج پرسی کے لیے اندر چلا گیا، اُس کے پیروں کی طرف کھڑے ہوکر مزاحیہ انداز میں بولا۔''موسی بیوٹی فل— کیسی ہو—؟ کیا ہوا؟''

تائی چادر سے ہاتھ پونچھتی ہوئی بڑی خاموشی سے اُسے گھورتی رہی۔وہ ہنس کر تائی سے پھر مخاطب ہوا۔

''موسی جی—! سنا ہے تم ماں بننے والی ہو—!!''

مانو زلزلہ ہی تو آ گیا۔تائی میں جیسے کوئی بدروح سما گئی۔وہ چار پائی سے کود کر فرش پر کھڑی ہوگئی اور چیخیں مارتی ہوئی اپنے بال نوچنے لگی اور اپنی چھاتی پیٹنے لگی۔تھوڑی دیر بعد وہ جھکی اور چار پائی کے نیچے سے اُس نے اینٹ کا بڑا سا ٹکڑا اُٹھایا اور پوری طاقت سے راجیو کے سر پر دے مارا راجیو کے سر سے خون کا فوارہ پھوٹ پڑا اُس کی چیخ نکل گئی۔پوجا گھبراتی ہوئی کمرے میں لپکی تائی لاجونتی ایک زوردار قہقہہ لگا کر چلائی۔

''حرام کے جنے—سُور— موسی بھی کہتا ہے۔خصم بھی بن جاتا ہے۔!!''پوجا یہ سن کر— پتھرا گئی—

○○

○○

دہلی کی آخری شمع

''دلّی کا یادگار مشاعرہ عرف دہلی کی آخری شمع'' مرزا فرحت اللہ بیگ (مرحوم) کے ادبی کارناموں میں سے ایک ہے۔مرزا صاحب کا شمار ان لوگوں میں ہے جنھوں نے ۱۸۵۷ء کے انقلابِ دہلی کے بعد انقلاب سے پہلے کی آخری جھلک سب کو کچھ اس انداز سے دکھائی کہ ایک جیتی جاگتی محفل آراستہ ہوگئی۔

مرتب: ڈاکٹر صلاح الدین، صفحات: ۱۴۷، قیمت: ۴۵ روپے۔(ساتواں ایڈیشن)

ناشر: اردو اکادمی، دہلی